© rasailojaraid.com

مِلاكُ التأوِيل

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی
تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبدالغفار حسن

سورة البقرة

(۳۶) **آیت** ۲۱۴:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

’’کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے!‘‘

اب اس آیت کا مقابلہ کیجیے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۲ کے ساتھ! ارشاد فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

’’کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی اللہ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں!‘‘

اور پھر سورۃ التوبہ کی آیت ۱۶ کے ساتھ! ارشاد فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ﴾

’’کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے‘ حالانکہ اب تک اللہ نے تم میں سے انہیں ممتاز نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا اور جنہوں نے اللہ کے‘ اُس کے رسول کے اور مؤمنوں کے سوا کسی کو ولی دوست نہیں بنایا۔‘‘

ان تینوں آیات میں فرق ملاحظہ فرمائیں:

(۱) پہلی دو آیات (البقرۃ اور آل عمران) میں فرمایا: ﴿اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾

اور سورۃ التوبہ میں: ﴿اَنْ تُتْرَكُوْا﴾

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) سورۃ البقرۃ میں: ﴿وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾

اور سورۂ آل عمران اور سورۃ التوبہ میں: ﴿وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾

(۳) سورۂ آل عمران میں: ﴿وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾﴾

اور سورۃ التوبہ میں: ﴿وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ﴾

اس طرح یہ تین سوالات بنتے ہیں:

ان تینوں سوالات کا اجمالی جواب عرض ہے کہ ان تینوں آیات میں یہ اختلاف اس وجہ سے رونما ہوا ہے کہ ان تینوں آیات کا سیاق وسباق مختلف ہے‘ تینوں سے پہلے مختلف قصے اور مختلف مسائل کا ذکر ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت سے پہلے مؤمنین سے عمومی خطاب ہے۔ پہلے ارشاد فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠﴾ (آیت ۲۰۸)

’’اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔‘‘

اس کے بعد یہ کہہ کر خبردار کیا:

﴿فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ (آیت ۲۰۹)

’’اور اگر تم کھلی کھلی دلیلوں کے آجانے کے بعد بھی پھسل جاؤ‘‘

﴿فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾﴾

’’تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔‘‘

گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر تم راہِ راست سے پھسل جاؤ‘ حالانکہ وہ راہ تمہیں اچھی طرح بتا دی گئی ہے تو پھر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قابو کرنے پر قادر ہے‘ تمہیں سزا دے سکتا ہے‘ تمہیں اس کی قدرت سے بھاگنے یا راہِ فرار اختیار کرنے کا کوئی موقع نہ ملے گا‘ وہ تمہارے ڈھکے چھپے سب کو جانتا ہے۔ اس کے بعد ان سے پہلے والوں کے حال کا تذکرہ کیا۔ فرمایا:

﴿سَلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ﴾ (آیت ۲۱۱)

’’بنو اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کتنی کھلی کھلی نشانیاں عطا کی تھیں؟‘‘

پھر یہ بتایا کہ کفار کے لیے یہ دنیا سجا دی گئی ہے لیکن اہلِ ایمان کی نظر آخرت پر رہنی چاہیے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے نفس کو مارنا پڑتا ہے اور صبر اور تقویٰ ہی سے انہیں فوقیت حاصل ہوگی۔

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ (آیت ۲۱۲)

’’اور جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں وہ قیامت کے دن ان پر فوقیت رکھیں گے۔‘‘

پھر بتایا کہ اختلاف کیسے واقع ہوا جب کہ آغاز میں ایک ہی امت تھی:

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠﴾ (آیت ۲۱۳)

’’لوگ ایک ہی امت تھے‘ پھر اللہ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا۔‘‘

گویا ان تمام آیات سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ پچھلے لوگوں کے ساتھ کیا کچھ ہوتا رہا ہے‘ انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کن کن حالات سے گزرنا پڑا ہے‘ اور نجات پانے کے لیے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق کا ملنا ضروری ہے وہاں سیدھے راستے پر چلنے کے لیے مشقتوں کا جھیلنا اور صبر کے دامن کو پکڑے رہنا بھی ضروری ہے۔ اب آخر میں اہل ایمان کی تسلی کے لیے بتایا جا رہا ہے کہ اس قسم کی سختیاں تم پر بھی آئیں گی۔ فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۴)

یعنی آزمائش کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اس کا ذکر کئی دوسری آیات میں بھی موجود ہے‘ جیسے سورۂ محمد میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۠ اَخْبَارَكُمْ ۝۳۱﴾

’’یقیناً ہم تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کر لیں۔‘‘

اور پھر ارشاد فرمایا:

﴿مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ ......﴾ (البقرۃ:۲۱۴)

یعنی آزمائش کی نوعیت جیسے بیماریاں‘ مصائب اور دوسری تکالیف کا تذکرہ ہو گیا۔ اور یہ مضمون بھی دوسری آیات میں بیان ہوا ہے‘ جیسے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝۴۲﴾

’’اور ہم نے آپ سے پہلے بھی اور اُمتوں کی طرف رسول بھیجے ہیں اور انہیں بھی تنگدستی اور تکالیف میں گزارا ہے تاکہ وہ عاجزی کا اظہار کر سکیں۔‘‘

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ سورۃ البقرۃ کی آیت میں کسی خاص گروہ کا تذکرہ نہیں ہے‘ بلکہ لوگوں کی عمومی حالت بتائی گئی ہے کہ کیسے وہ امتحانات سے گزرتے رہے ہیں اور اسی لیے یہاں تفصیل ہے‘ اختصار نہیں ہے۔

اب رہی سورۂ آل عمران کی آیت‘ تو اس میں ان لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے غزوۂ اُحد میں حصہ لیا تھا اور اس لحاظ سے وہاں صرف جہاد اور صبر کا ذکر ہے۔ اور چونکہ اس آیت کا تعلق ایک مخصوص واقعہ سے تھا اس لیے یہاں مزید آزمائشوں یا امتحانات کے ذکر کا موقع نہ تھا‘ صرف اتنا ارشاد ہوا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۲﴾

صرف جہاد اور صبر کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔

اب آیئے سورۃ التوبہ کی آیت کی طرف‘ یہاں خطاب ہو رہا ہے ان اہل ایمان سے جنہوں نے مکہ فتح ہوتے دیکھا تھا‘ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک کہ ان کا ظاہر‘ ان کے باطن جیسا نہ ہو جائے‘ یعنی ان کا رجحان کسی دوسری چیز کی طرف نہ ہو‘ صرف اللہ کے ساتھ اس بیعت پر ہو جو سراسر اخلاص پر مبنی ہے۔ وہ اللہ‘ اُس کے رسول اور مؤمنین کے علاوہ کسی کو اپنا معتمد اور چارہ گر نہ بنائیں‘ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ یہ آیات نفاق سے متصف لوگوں کی مذمت بھی کرتی ہیں کہ ایسے لوگ دل میں کچھ چھپاتے ہیں اور ظاہر کچھ کرتے ہیں۔ اس آیت سے قبل وہ الفاظ ہیں جو اس بات کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشارہ کرتے ہیں:

﴿يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ﴾ (التوبۃ:۸)

''اپنی زبانوں سے تو تمہیں راضی کر رہے ہیں لیکن ان کے دل نہیں مانتے۔''

اور اس طرح اہل ایمان کو ان صفاتِ ذمیمہ سے بچنے کی تاکید کی اور انہیں بتایا گیا کہ اگر انہیں منافقین سے جدا کرنا مقصود ہے تو امتحان اور آزمائش سے گزرنا ہوگا' کیونکہ صرف اسی طریقہ سے خبیث اور طیب میں امتیاز ہو سکتا ہے۔ اور اس چیز کا علم کہ کون خالص مؤمن ہے اور کون منافق' کون خبیث ہے اور کون طیب' یہ خاص لوگوں کے لیے ہی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں' وہ تو ہر نفس کو خوب جانتے ہیں۔ امتحان اور آزمائش کے نتائج اور ثمرات تو ہمارے لیے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ ہر شخص کی حقیقت کیا ہے۔ اگر یہ امتحان نہ ہوتا تو ہمیں مؤمن اور منافق کی پہچان کیسے ہوتی؟ اللہ کا علم ہماری آزمائش پر موقوف نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کوئی نئی بات ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ کی ذات ان باتوں سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔

گویا آیت کا مقصود یہ ہے:

کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ تمہیں بغیر امتحان کے چھوڑ دیا جائے گا کہ جس سے تمہارے حالات اور منافقین کے حالات کے درمیان امتیاز ہو سکے؟

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کی آیات میں نفاق کا تذکرہ نہ صریحاً ہے نہ اجمالاً' برخلاف آیت سورۃ التوبہ کے' اور یوں دونوں طرح کی آیات کے مقاصد کے اختلاف کی بنا پر آیات کی ابتدا اور انتہا میں الفاظ کا اختلاف ہوا۔ اور اللہ بہتر جانتے ہیں۔

اس بات پر بھی غور کیجیے کہ یہاں ''اتخاذ الولیجه'' یعنی دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے اور پھر آخر میں اللہ کی صفت خبیر لائی گئی ہے تاکہ آیت کا مقصود واضح ہو سکے۔

(اس مبحث کے آخر میں کلمہ ''اَمْ'' کے بارے میں نحوی بحث کی گئی ہے کہ آیا وہ اَمْ متصلہ ہے یا منقطعہ!)

(۳۷) آیت ۲۳۱:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪﴾

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور پھر وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو انہیں اچھی طرح بسا دو یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو۔''

اور سورۃ الطلاق کی آیت ۲ میں ارشاد فرمایا:

﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾

''تو پھر جب وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو انہیں اچھی طرح بسا دو یا بھلائی کے ساتھ جدا کر دو''

تو اس بارے میں عرض ہے کہ سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت سے پہلے اور بعد میں یہ بات خاص طور پر بیان ہو رہی ہے کہ عورتوں کے ساتھ بدسلوکی نہ کی جائے' بغیر کسی سبب کے اُن سے کوئی چیز نہ ہتھیائی جائے' انہیں ضرر پہنچانے کی غرض سے روک کر نہ رکھا جائے' اگر وہ دوبارہ اپنے خاوندوں کی طرف لوٹنا چاہیں تو انہیں اس سے نہ روکا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے' اور پھر ان سے حسنِ سلوک کرنے کا بھی حکم دیا جا رہا ہے' اور اس سیاق و سباق میں ''فراق'' کا لفظ لانا مناسب نہ تھا' اس لیے بجائے ''فَارِقُوْهُنَّ'' کے یہاں ''تَسْرِيْح'' (جانے دینا) کا لفظ لایا گیا جو کہ دو آیتیں قبل بھی لایا جا چکا ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌ ۢبِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ ۢبِاِحْسَانٍ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۲۹)

''طلاق دو مرتبہ ہے —— یا تو بھلائی کے ساتھ رکھو اور یا احسن طریقہ سے انہیں جانے دو۔''

یعنی دونوں حالتوں میں' چاہے آباد رکھنے کا مقصد ہو یا علیحدہ کرنے کا' حسنِ سلوک کا راستہ نہ بھولو۔

اور چونکہ سورۃ الطلاق میں نہ ضرر پہنچانے کا ذکر ہے نہ عَضْل (منع کرنے) کا عندیہ دیا گیا ہے' اس لیے یہاں لفظ فراق (اَوْ فَارِقُوْهُنَّ) کا لایا جانا معیوب نہ تھا' لیکن پھر بھی دونوں حالتوں (یعنی رجوع کرنے یا جدا کرنے) میں ''معروف'' (بھلائی سے پیش آنا) کا اعادہ کیا گیا تاکہ حسنِ سلوک کی نفی نہ ہو سکے' اور دونوں آیتوں کے مقاصد کے اختلاف کی بنا پر الفاظ میں بھی اختلاف واقع ہوا۔ واللہ اعلم!

(۳۸) آیت ۲۳۲:

﴿ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾

''یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور یومِ آخرت پر ایمان ہو۔''

اور سورۃ الطلاق کی آیت ۲ میں ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾

دونوں آیتوں میں دو الفاظ کا فرق ہے:

سورۃ البقرۃ میں ''ذٰلِكَ'' ہے اور سورۃ الطلاق میں ''ذٰلِكُمْ''۔

سورۃ البقرۃ میں ''مِنْكُمْ'' کے الفاظ ہیں جو سورۃ الطلاق میں نہیں ہیں۔

اس کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہو سکتی ہے' واللہ اعلم' کہ آیت سورۃ البقرۃ کے سیاق و سباق میں چند چیزیں تاکید کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ ان لوگوں کی مذمت جو کہ اپنی بیویوں کو ضرر پہنچاتے ہیں' ناحق ان کا مال چھیننا چاہتے ہیں۔ اس آیت سے پہلے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا﴾ (آیت ۲۲۹)

''تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو تم انہیں دے چکے ہو' اس میں سے کچھ لو۔''

اور پھر فرمایا:

﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ﴾ (آیت ۲۳۱)

''اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لیے نہ روکو۔''

اور پھر اس آیت میں تو یہ مذمت شدت اختیار کر گئی ہے:

﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ﴾ (آیت ۲۳۱)

''اور اللہ کی آیات کو ہنسی کھیل نہ بناؤ۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پھر ''عضل'' سے منع کیا' یعنی عورتوں کو ان کی مرضی سے شادی کرنے سے روکنا تا کہ اُن کے 'اموال' اپنے ہاتھ میں رہیں' اور اس سے بڑھ کر ضرر کیا ہوگا کہ وہ اپنے دین اور اپنی دنیا کی صلاح کے لیے اپنا گھر بسانا چاہیں لیکن ان کا ولی اپنی مصلحت کی خاطر انہیں شادی سے روک کے رکھے۔

اس ساری تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ سورۃ البقرۃ میں جن چیزوں سے روکا جا رہا ہے' وہ اپنی شناعت اور برائی کے اعتبار سے سورۃ الطلاق میں وارد آیت سے کہیں زیادہ شدت کی حامل ہیں' اور یہ بات بھی سب کے علم میں ہے کہ حکم اگر سخت ہو تو اس کی تعمیل کرنے والے بھی کم ہوتے ہیں اور کڑے امتحان میں پاس ہونے والوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے سورۃ البقرۃ میں خطاب کرتے ہوئے صرف ''ذٰلِكَ'' کہا گیا جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ وہ لوگ جو اپنی بیویوں کے اموال کو حرص کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ان کی تعداد بہت کم ہے' اور پھر ''مِنْكُمْ'' کہہ کر مزید اشارہ ہو گیا کہ سارے کے سارے لوگ اس نصیحت کو پکڑنے والے نہیں ہیں بلکہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو ایسا کر سکیں گے۔ اس کے مقابلے میں سورۃ الطلاق میں اتنے تفصیلی احکامات نہیں ہیں' صرف طلاق دینے کا بیان ہے' اور ان احکامات میں چونکہ آسانی پائی جاتی ہے' اس لیے ان پر عمل کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہو سکتی ہے' اس لیے یہاں وہ حرف لایا گیا (یعنی ذٰلِكُمْ) جس میں سب ہی شامل ہو گئے' اور ''مِنْكُمْ'' نہیں لایا گیا۔ اس لیے کہ ''مِنْكُمْ'' سے پھر حکم ماننے والوں کی تعداد کی کمی ظاہر ہوتی۔ اور یوں دونوں آیات اپنے اپنے موضوع اور محل کے اعتبار سے وارد ہوئی ہیں اور ان کے معنی اور مفہوم میں پوری مناسبت پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم!

(۳۹) آیت ۲۳۴:

﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ؁﴾

''اور پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو ان پر کوئی حرج نہیں اگر وہ بھلائی کے ساتھ اپنے بارے میں جو کچھ بھی کریں۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔''

اس کے بعد آیت ۲۴۰ میں فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؁﴾

''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کی بیویوں کے لیے وصیت ہے کہ وہ سال بھر تک فائدہ اٹھائیں اور انہیں (گھروں سے) نکالا نہ جائے۔ اور اگر وہ خود نکل جائیں تو ان پر کوئی حرج نہیں اگر وہ بھلائی کے ساتھ اپنے بارے میں جو کچھ بھی کریں۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

یہاں تین سوالات پیدا ہوتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) پہلی آیت میں بالمعروف (الف لام کے ساتھ) لایا گیا اور دوسری آیت میں ''مِنْ مَّعْرُوْفٍ'' (یعنی نکرہ) لایا گیا؟

(۲) پہلی میں ''بِ'' اور دوسری میں ''مِنْ'' کا صلہ لایا گیا؟

(۳) پہلی آیت کے آخر میں ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝﴾ اور دوسری آیت کے آخر میں ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ بیوہ عورتیں جب چار مہینے دس دن کی عدت پوری کر لیں تو اس کے بعد ''بِالْمَعْرُوْفِ'' یعنی شریعت کے مطابق اگر نکاح کرنا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ یہاں ''بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ'' کہہ کر ایک خاص مدت کے پورا ہونے کا ذکر ہے کہ جس کے بعد ہی ان کا نکلنا ممکن ہوا' اس لیے ''بِالْمَعْرُوْفِ'' کہہ کر معرفہ کا صیغہ لایا گیا۔

اس کے مقابلہ میں دوسری آیت میں دو چیزیں ایسی بیان ہوئی ہیں جن میں ابہام پایا جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے نکرہ کا صیغہ (مِنْ مَّعْرُوْفٍ) لایا گیا۔

پہلی بات تو یہ کہ یہاں ''عدت کی مدت'' پوری ہونے کا ذکر نہیں' صرف نکلنے کا ذکر ہے ﴿فَاِنْ خَرَجْنَ﴾ دوسری یہ کہ پہلی آیت میں ''اِذَا'' کا لفظ ہے ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ اور دوسری میں اِنْ کا لفظ ہے ﴿فَاِنْ خَرَجْنَ﴾۔

دونوں کے مفہوم میں فرق ہے۔ اگر کوئی یہ کہے: اَقُوْمُ اِذَا قَامَ زَيْدٌ: ''میں تب کھڑا ہوں گا جب زید کھڑا ہو گا''۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ میرا قیام زید کے قیام کے ساتھ منسلک ہے' نہ اس سے پہلے ہوگا اور نہ ہی بعد میں تاخیر کے ساتھ ہوگا' یعنی جونہی وہ کھڑا ہوگا تو میں بھی کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور اگر یہ کہا: اَقُوْمُ اِنْ قَامَ زَيْدٌ: ''میں تب کھڑا ہوں گا اگر زید کھڑا ہوگا۔'' تو اس سے صرف یہ لازم آتا ہے کہ میں زید کے کھڑے ہونے کے بعد ہی کھڑا ہوں گا۔ ضروری نہیں کہ فوراً ہی کھڑا ہو جاؤں' اس میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے۔

اس مثال سے واضح ہو گیا کہ ''اِذَا'' کے بعد ایک چیز کے واقع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں' جب کہ ''اِنْ'' کے بعد کسی چیز کے فوراً واقع ہونے یا دیر سے واقع ہونے کا احتمال رہتا ہے' اور اس لحاظ سے پہلی آیت میں ''المعروف'' معرفہ لایا گیا ہے اور دوسری آیت میں ''معروف'' نکرہ لایا گیا۔

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ دوسری آیت میں بھی تو ایک معلوم مدت (یعنی ایک سال) کا ذکر ہے۔ یہ وہ مدت تھی جو بعد میں چار مہینے دس دن کی عدت سے منسوخ ہو گئی' اور پھر اس بات کا ذکر ہے کہ اگر وہ نکلیں تو ان کے نکلنے پر کوئی گناہ نہیں۔ تو پہلی آیت کے مفہوم سے اختلاف کہاں واقع ہوا؟

اس کا ایک مختصر جواب تو یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں الفاظ کا اختلاف تو واقع ہوا ہے' ایک میں ''بلوغ اجل'' کا ذکر ہے اور دوسری میں نہیں ہے' اس لیے آیت کے آخر میں ''بِالْمَعْرُوْفِ'' اور ''مِنْ مَّعْرُوْفٍ'' کا اختلاف واقع ہوا۔

دوسرا تفصیلی جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں ''بِالْمَعْرُوْفِ'' میں ''ال'' سے مراد لام عہد ہے یعنی کسی معلوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیز کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ صرف ایسے ہی کام کریں گی جس کا شریعت انکار نہیں کرتی اور نہ ہی اس سے منع کرتی ہے۔ یہاں ''بِالْمَعْرُوْفِ'' سے اس بات کو ادا کیا جا رہا ہے اي بالوجه الذی لا ینکرہ الشرع ولا یمنعُہٗ۔

برخلاف دوسری آیت کے جو تلاوت کے لحاظ سے بعد میں رکھی گئی ہے لیکن اس کا حکم پہلے نازل کیا گیا تھا۔ گویا ''بِالْمَعْرُوْف'' میں عمومی طور پر شرع کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ''مِنْ مَّعْرُوْف'' میں اس معروف کی تفصیل بتا دی گئی ہے' کہ وہ تمام جائز چیزیں کر سکتی ہیں جنہیں شریعت منع نہیں کرتی' جیسے زیب و زینت کرنا' شادی کے خواہش مند لوگوں کو باریابی بخشنا' جو وہ مہر چاہتی ہیں اس کا اظہار کرنا اور اسی طرح وہ تمام باتیں جو ان کی اپنی مصلحت کے لیے ہوں۔

''مِنْ'' چونکہ تنکیر کے لیے ہوتا ہے اور تبعیض کے لیے بھی' اس لیے یہاں ''مِنْ'' لا کر ''معروف'' کی مختلف صورتوں میں سے کسی بھی صورت کو اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہو گیا اور یوں دونوں آیتوں میں جو مناسب تھا وہ اپنی اپنی جگہ پر آ گیا۔

تیسرے سوال کے بارے میں عرض ہے کہ پہلی آیت کے آخر میں ''وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ'' کہا گیا جو اس سے پہلے کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہے۔ وہاں اس بات کا ذکر ہے کہ بیوہ عورتیں مدتِ عدت میں سوگ اور اس کے لوازمات کی پابندی کریں گی اور اس دوران اگر انہوں نے آئندہ کسی رشتے کی تلاش کے ضمن میں کوئی ایسی بات چھپائی جس کا چھپانا ناجائز تھا تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کا علم ہر بات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور وہ ایک ایک بات سے باخبر ہے۔ دوسری آیت میں ''فَاِنْ خَرَجْنَ'' کہا گیا' یہاں اس بات کا احتمال تھا کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے نکلیں اور پھر یا تو جلد بازی سے کام لیں یا شرعی حدود کو پھلانگنے کی کوشش کریں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں سزا دینے پر قادر ہے' انہیں چاہے تو معاف بھی کر سکتا ہے' کیونکہ وہ غلبہ والا اور کمال حکمت والا ہے۔

(۴۰) آیت ۲۶۱:

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ﴾

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اُس دانے جیسی ہے جس نے سات بالیاں نکالیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔''

اور سورۂ یوسف کی آیت ۴۳ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَقَالَ الْمَلِکُ اِنِّیْٓ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْکُلُھُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ﴾

''اور بادشاہ نے کہا کہ میں سات فربہ گائیں دیکھتا ہوں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور دیکھتا ہوں سات ہری ہری بالیاں......''

دونوں جگہ عدد ایک ہے لیکن معدود کے لیے جمع کا صیغہ مختلف ہے' پہلی آیت میں ''سَنَابِلَ'' ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''فعائل'' کے وزن پر جمع تکثیر (وہ جمع جس میں کثرت غالب ہے) ہے اور دوسری آیت میں ''سُنْبُلٰت'' ہے جو ''الف اور تاء'' کے ساتھ جمع قلت پر دلالت کرتا ہے۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو بے تحاشا اجر دیا جاتا ہے' کبھی کبھی تو سات سو گنا تک ثواب کو بڑھایا جاتا ہے' آیت میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے اور احادیث میں بھی اس کا بیان ہے' اس لیے یہاں جمع کا وہ صیغہ لانا جس میں کثرت پائی جاتی ہو' زیادہ مناسب تھا۔ برخلاف سورۂ یوسف کی آیت کے جہاں صرف بادشاہ کا خواب بیان ہو رہا ہے' یہاں نہ کثرت مقصود ہے نہ قلّت' بلکہ حقیقت حال کا بیان ہو رہا ہے' اور چونکہ سات کا عدد قلیل میں سے شمار ہوتا ہے (دس سے کم عدد کے لیے جمع قلّت کا استعمال ہوتا ہے) اس لیے یہاں جمع کا وہ صیغہ لایا گیا جو قلت کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا۔

یعنی سورۃ البقرۃ کی آیت میں تو عدد کے ذکر کے بعد بالیوں کے بڑھنے کی طرف اشارہ تھا اس لیے وہاں جمع تکثیر کا صیغہ مناسب تھا اور سورۂ یوسف میں ایسی کوئی بات ملحوظ نہ تھی اس لیے سات کے عدد کی مناسبت سے جمع قلت کا صیغہ لایا گیا' واللہ اعلم۔

(۴۱) آیت ۲۷۶:

﴿یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۷۶﴾﴾

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ناشکرے' گنہگار کو ناپسند کرتا ہے۔''

سورۃ النساء کی آیت ۳۶' ۳۷ میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾ نِ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر اترانے والے' شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا' وہ لوگ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔''

اور ایسے ہی آیت ۱۰۷ میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ﴿﴾﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ ہر خیانت کرنے والے گنہگار کو ناپسند کرتے ہیں۔''

اور سورۃ الحدید کی آیت ۲۳۔۲۴ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ نِ ﴿۲۳﴾ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ﴾

''اور اللہ ہر اترانے والے' شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل پر آمادہ کرتے ہیں۔''

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

(۱) ان چاروں آیتوں میں اللہ کی ناپسندیدگی کا ذکر ہے اور پھر ہر آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو ایک ناپسندیدہ عمل میں مبتلا ہیں' تو ایسے لوگوں کے اوصاف میں اختلاف کیوں واقع ہوا ہے؟

(۲) مانا کہ یہ سارے اوصاف ناپسندیدہ ہیں' اللہ ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتا' اب جبکہ محبت نہ رکھنے میں یہ سارے اوصاف برابر ہیں تو سورۃ البقرۃ اور سورۃ الحدید کی آیتوں میں ان اوصاف سے پہلے واوِ عاطفہ لایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہے جبکہ سورۃ النساء کی دونوں آیتوں میں حرف ''اِنَّ'' لایا گیا ہے جو تاکید پر دلالت کرتا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر ہر آیت کا ماسبق دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ آیت کے آخر میں ناپسندیدہ لوگوں کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں' ان کا پچھلے بیان کردہ مضمون سے پورا پورا تعلق بنتا ہے۔ اب دیکھئے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت (۲۷۶) سے پہلے سود کھانے والوں کا بیان ہو رہا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ﴾ (آیت ۲۷۵)

اس آیت میں سود کھانے والوں کی شناعت بیان ہو رہی ہے کہ وہ پاگلوں کی طرح اٹھتے بیٹھتے ہیں' اور وہ اس لیے کہ انہوں نے بیع وشراء اور سود کو ایک جیسا سمجھا' حالانکہ ایک حلال ہے اور ایک حرام۔ ان کی اس حالت کفر اور تکذیب کو دیکھتے ہوئے ان سے اللہ کی محبت کی نفی کی گئی۔ ان کی جن دو ذمیم صفات کا تذکرہ کیا گیا یعنی کَفَّار اور اَثِیم' دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور ان کی حالت سے مناسبت رکھتے ہیں۔

برخلاف سورۃ النساء کی آیت ۳۶' ۳۷ کے' جس سے قبل چند مثبت اوامر بیان کیے گئے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ﴾ (آیت ۳۶)

اس آیت میں ان چیزوں کا حکم دیا جا رہا ہے: اللہ کی عبادت کرو' اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔ والدین' قرابت داروں' یتیموں' مساکین' رشتے دار پڑوسی' اجنبی پڑوسی' ساتھیوں' مسافروں اور غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا جا رہا ہے' اور حسن سلوک میں کئی باتیں شامل ہیں' جیسے نرمی سے بات کرنا' اکرام کرنا۔ ایک دوسری آیت میں اسے یوں بیان کیا:

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''وہ اہلِ ایمان پر نرم اور اہلِ کفر پر سخت ہوتے ہیں۔''

اس کے مقابلے میں اترانا اور اکڑنا ان مذکورہ صفاتِ حمیدہ کا بالکل اُلٹ ہے' اور اگر یہ قبیح صفات پائی جائیں گی تو پھر وہ حسن سلوک نہ ہو سکے گا جس کا اس آیت میں مطالبہ کیا جا رہا ہے' اور اسی لیے آیت کے آخر میں ارشاد فرما دیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴾ (النساء)

اور اس لحاظ سے آیت کے مضمون کے ساتھ اس آخری ٹکڑے کی مناسبت عیاں ہو گئی۔ اب آیئے سورۃ النساء کی آیت کی طرف جس کے آخر میں خائن اور گنہگار سے اللہ کی محبت کی نفی کی گئی ہے۔ اس آیت سے پہلے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ (النساء)

''ہم نے تمہارے اوپر حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے تا کہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرسکو اُس (ہدایت)
کے ساتھ جو اللہ نے تمہیں سجھائی ہے' اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔''

پھر اگلی آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾

''اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں۔''

ان دونوں آیات میں نبی ﷺ کو خیانت کرنے والوں سے خبردار کیا گیا ہے اور ان کی مدد کرنے یا ان کی طرف سے دفاع کرنے سے منع کیا گیا ہے اور پھر کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسی مذموم صفات کے حامل افراد سے محبت نہیں رکھتے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا﴿۱۰۷﴾﴾ (النساء)

اور یوں آیات کے مضامین سے آخری حصے کی مناسبت ظاہر ہوگئی۔

اب رہی سورۃ الحدید کی آیت کہ جس میں یہ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر اکڑنے والے اور شیخی بگھارنے والے سے محبت نہیں رکھتا' اس سے قبل دنیا کی زندگی کا ایک نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ابتداءً ارشاد فرمایا:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ (الحدید: ۲۰)

''خوب جان لو کہ دنیوی زندگی صرف کھیل کود ہے' سامانِ غفلت اور زینت ہے' آپس میں فخر وغرور کرنا ہے اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں لگے رہنا ہے۔''

اور پھر ان آیات کے اختتام پر ارشاد فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ ہر اکڑنے والے اور شیخی بگھارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴿۲۳﴾﴾

اب یہ واضح ہوگیا ہے کہ ان تمام آیات کا اختتام' ان آیات میں بیان کردہ مضمون سے پوری پوری مطابقت رکھتا ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ سورۃ البقرۃ اور سورۃ الحدید دونوں میں اصلاً ایک ایک مضمون بیان ہوا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت میں سود کھانے والوں کی شناعت بیان ہو رہی ہے جو بیع اور ربا میں فرق روا نہیں رکھتے۔ گویا یہاں ایک ہی قسم کے لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جن کا جرم ایک ہی ہے۔ ایسے ہی سورۃ الحدید کی آیت میں ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو فخر وغرور کی بیماری میں مبتلا ہیں' یہاں جتنی بھی مذموم صفات بیان کی گئی ہیں ان کا مادہ ایک ہی ہے اور وہ ہے تکبر۔

اب ان دونوں آیتوں کے مقابلے میں سورۃ النساء کی دونوں آیتوں کو ملاحظہ فرمائیں کہ وہاں امر بھی ہے اور نہی بھی' اور اوامر ایک نہیں کئی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی آیت میں عبادت کا حکم ہے‘ شرک سے روکا گیا ہے اور ان اصناف کا تفصیلی ذکر ہے جن سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ دوسری آیت میں لوگوں کے درمیان آسمانی ہدایت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور خیانت کرنے والوں کی طرف سے وکالت نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ خیانت کرنے کے بہت سے مواقع ہیں۔ اطاعت سے گریز کرنے والا خائن ہے‘ گناہ کا ارتکاب کرنے والا خائن ہے۔ اور پھر چاہے اطاعت ہو یا معصیت‘ دونوں میں لاتعداد امور آ جاتے ہیں‘ اور اس لحاظ سے مناسب ہوا کہ ان آیات کے اختتام پر ''اِنَّ'' کا حرف لا کر تاکید کا اظہار ہو جائے۔ اور اس طرح جہاں تاکید کی ضرورت تھی وہاں حرفِ تاکید لایا گیا اور جہاں اس کی ضرورت نہ تھی وہاں حرف ''اِنَّ'' نہیں لایا گیا‘ واللہ اعلم!

(۴۲) آیت ۲۸۴:

﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ﴾

''تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ‘ اللہ تمہیں اس کے بارے میں پوچھے گا۔''

اور سورۂ آل عمران کی آیت ۲۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ﴾

''کہہ دیجیے‘ کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو‘ اللہ اسے جان لے گا۔''

یہاں دل کی باتوں کو ظاہر کرنے اور چھپانے کا تذکرہ ہے‘ لیکن سورۂ آل عمران کی آیت میں خاص طور پر چھپانے کا تذکرہ پہلے ہے اور ظاہر کرنے کا ذکر بعد میں ہے۔

گو دونوں آیتوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ظاہر و باطن دونوں کو شامل ہے‘ جیسا کہ سورۃ الرعد میں ارشاد فرمایا:

﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ﴾ (آیت ۱۰)

''اور برابر ہیں تم میں سے وہ جو بات کو چھپاتے ہیں اور جو اسے ظاہر کرتے ہیں۔''

سوال یہ ہے کہ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ کسی بات کو‘ اور خاص طور پر عقائد کو‘ ظاہر کچھ کرنا اور دل میں کچھ اور چھپا کر رہنا منافقین کی صفات میں سے ہے اور اسی بنا پر وہ کافروں سے علیحدہ پہچانے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ﴾ (آل عمران: ١٥٤)

''وہ اپنے دلوں میں وہ کچھ چھپاتے ہیں جو تمہارے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ﴾ (البقرۃ: ١٤)

''اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے‘ اور جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔''

اور یہ بات قرآن میں کثرت سے کہی گئی ہے‘ اور اللہ تعالیٰ نے پھر یہ بھی بتایا ہے کہ یہ منافق لوگ ہیں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں' اور پھر انہیں دردناک عذاب کی بشارت بھی دی ہے۔
ارشاد فرمایا:

﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٣٨﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ﴾ (النساء)

''منافقین کو بشارت دے دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کفار کو دوست بناتے ہیں۔''

پھر اہلِ ایمان کو تنبیہ کی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾﴾ (النساء)

''اے ایمان والو! اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ' کیا تم اپنے اوپر اللہ کی طرف سے صاف حجت قائم کرنا چاہتے ہو؟''

اور پھر ارشاد فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ......﴾ (الممتحنة:١)

''اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ......''

اور اس مضمون کی کئی آیات ہیں' اور خاص طور پر سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ﴾ (آیت ۲۸)

''اہلِ ایمان مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔''

اور یوں اس امر سے بار بار ڈرایا ہے' اِلا یہ کہ تقیہ کا لحاظ ہو۔ آلِ عمران کی اسی آیت کے آخر میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ﴾

''اور جو ایسا کرے گا تو وہ کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے (حفاظت میں) نہ ہوگا مگر یہ کہ ان (کے شر) سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔''

اور اسی لیے آیت کے آخر میں شدید تنبیہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○﴾

''اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے' اور اُسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔''

یہاں چونکہ منافقین کے ایک امتیازی وصف کا بیان ہو رہا ہے کہ جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں اس لیے یہ بتانا مناسب تھا کہ اللہ تعالیٰ جیسے ان کے ظاہر کو جانتے ہیں ویسے ان باتوں کو بھی جانتے ہیں جنہیں وہ چھپاتے ہیں۔ اور منافقین میں یہ صفت اس لیے پائی جاتی تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی بات کو نہیں جانتے' اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حق کے بارے میں بھی جہالت کا ثبوت دیتے رہے اور رسول ﷺ کو بھی جھٹلاتے رہے۔ اور اسی ضمن میں ارشاد فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾﴾ (التوبۃ)
''کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ ان کے رازوں اور ان کی سرگوشیوں سے بخوبی واقف ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ غیب کو بھی بخوبی جانتا ہے۔''

اور یہ ہے وہ وجہ کہ جس کی بنا پر سورۂ آل عمران کی آیت میں اِخفاء (چھپانے) کا ذکر پہلے ہے' اور اسی طرح ان تمام آیات میں بھی جن میں اسی طرح کا مضمون ہے۔ مثال کے طور پر حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں ارشاد فرمایا:

﴿تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ﴾ (الممتحنۃ:۱)
''تم ان سے چپکے چپکے محبت کا اظہار کرتے ہو' اور مجھے علم ہے کہ تم کیا چھپاتے ہو اور کیا ظاہر کرتے ہو!''

اب رہی سورۃ البقرۃ کی آیت تو وہاں نہ نفاق کا ذکر ہے نہ منافقین کا' وہاں تو یا قرض لینے دینے کے احکامات کا بیان ہے یا اہل ایمان کے کچھ واجبات و فرائض کا' اس لیے وہاں ظاہر کو مقدم رکھا گیا' کیونکہ ان کے دلوں میں منافقوں کی طرح کوئی کھوٹ نہ تھا بلکہ ان کا باطن صاف و شفاف تھا' اور یہی سبب ہے کہ جس کی بنا پر اس مضمون کی دوسری آیات میں بھی ظاہر کا پہلے ذکر ہے اور باطن کا بعد میں۔ ارشاد فرمایا:

﴿مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾﴾ (المائدۃ)
''اللہ کے رسول پر تو صرف پہنچا دینا فرض ہے' اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔''

یہاں بھی چونکہ خطاب اہل ایمان سے ہے اس لیے ظاہر کا ذکر پہلے ہے۔ سورۃ النور میں ارشاد فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾
''ہاں غیر آباد گھروں میں جہاں تمہارا ساز و سامان ہو' وہاں داخل ہونے میں کوئی گناہ نہیں' اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔''

یہاں بھی خطاب اہل ایمان سے ہے۔ اور جہاں بھی اظہار سے پہلے اخفاء کا ذکر ہے وہاں کفار یا منافقین کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اب دیکھئے کہ سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا تھا:

﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ (آیت ۳)
''وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی جانتا ہے اور ظاہر کو بھی۔''

اور اس سے قبل سورۃ الانعام کی پہلی آیت میں کفار کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝﴾
''اور پھر بھی کافر لوگ (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔''

ایسے ہی سورۃ التغابن میں ارشاد فرمایا:

﴿يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ﴾ (آیت ۴)
''وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔''

اور اس سے قبل کافروں کا تذکرہ ہے' ارشاد فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ﴾ (آیت ۲)

''اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے' تو تم میں سے کچھ کافر ہیں اور کچھ مؤمن۔''

اور اسی طرح سورۃ النمل کی اس آیت کو بھی ملاحظہ فرمالیں:

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾﴾

''اور بے شک تیرا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہے اور جس کا وہ اظہار کرتے ہیں۔''

اور اس آیت سے قبل ارشاد فرمایا جا چکا تھا:

﴿ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾﴾

''جبکہ ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو چکے تھے تو کیا ہم (دوبارہ) نکالے جائیں گے؟''

اب یہ واضح ہو گیا کہ ایمان اور نفاق کے لحاظ سے ظاہر کرنے اور چھپانے میں ایک مناسبت ہے جس کی ان آیات میں رعایت کی گئی ہے۔ واللہ اعلم!

(۴۳) آیت ۲۸۴:

﴿فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾

''تو پھر جس کی چاہے گا مغفرت کرے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔''

اور سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾﴾

''اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' جس کی چاہتا ہے مغفرت کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔''

اور سورۃ المائدۃ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ (آیت ۱۸)

''اور یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔ کہہ دیجیے تو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے عذاب کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم اس کی خلقت میں سے بشر ہو۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔''

اور سورۃ الفتح میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ (آیت ۱۴)

''اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے' جس کی چاہتا ہے مغفرت کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔''

ان چاروں آیات میں غفرانِ ذنوب کا پہلے ذکر ہے اور عذاب کا بعد میں' لیکن سورۃ المائدۃ کی آیت ۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں عذاب کا ذکر پہلے ہے اور غفران کا بعد میں۔ ارشاد فرمایا:

﴿اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ﴾

''کیا تم نے نہیں جانا کہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے! جسے چاہتا ہے وہ عذاب دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے مغفرت کرتا ہے۔''

اور سوال یہی ہے کہ ایسا کیوں ہے؟

جواباً عرض ہے کہ سورۃ المائدۃ کی اس آیت سے قبل دو طرح کے مجرمین کا حال اور پھر ان کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے' ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ يُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ يُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡىٌ فِى الدُّنۡيَا وَلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهِمۡ ۚ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۴﴾﴾

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کریں اور زمین میں فساد برپا کریں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا مصلوب کیا جائے یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا انہیں جلاوطن کیا جائے۔ یہ سزا دنیا میں ان کے لیے باعث رسوائی ہوگی اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی پیشتر اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ' پھر جان لو کہ اللہ مغفرت کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔''

پھر چور کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ ظُلۡمِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوۡبُ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۹﴾﴾

''اور چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو' یہ ان کے کیے کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت کا نشان ہے' اور اللہ تعالیٰ غلبہ والا حکمت والا ہے۔ اور جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔''

اب ملاحظہ کیجیے کہ محاربین اور چوری کرنے والوں کے ذکر میں تعذیب (سزا) کا ذکر پہلے ہے اور پھر توبہ کرنے کی صورت میں ان کی بخشش کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد وہ آیت لائی گئی جس میں عذاب کا ذکر پہلے ہے اور مغفرت کا ذکر بعد میں ہے' یعنی یہ آیت:

﴿اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ﴾

تو اب یہ بات واضح ہوگئی کہ ماقبل کو دیکھتے ہوئے یہی مناسب تھا کہ عذاب کا ذکر پہلے کیا جاتا اور مغفرت کا بعد میں۔ اور باقی جہاں تک پہلی چار آیات کا تعلق ہے تو وہاں سورۃ المائدۃ کی اس آیت کی مانند ایسے لوگوں کا تذکرہ نہیں ہے جو سزا کے مستحق ہوں بلکہ ان آیات کے ماقبل ایسی باتوں کی طرف اشارہ ہے کہ جن میں بربنائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احسان اور انابت‘ امید کا دامن غالب ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت کو لے لیجیے‘ اس میں مؤمنین کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا:

﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ ......﴾

’’چاہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ......‘‘

اور سورۃ آل عمران کی آیت سے قبل ارشاد فرمایا:

﴿لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ﴾ (آیت ۱۲۸)

’’اور تمہارے ہاتھ میں اس امر سے متعلق کچھ نہیں ہے۔‘‘

اور تیسری آیت سے قبل اہل کتاب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں الخ۔ یہاں گو خطاب یہود و نصاریٰ سے ہے لیکن اشارتاً بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اسلام لے آئیں اور اپنے رب کی طرف رجوع کریں تو اُس کی بخشش اور معافی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

چوتھی آیت (سورۃ الفتح) سے قبل نبی ﷺ کی عظمت شان کا ذکر ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ﴾ (آیت ۱۰)

’’جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں‘ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔‘‘

پھر اس کے بعد پیچھے رہ جانے والے بدوؤں کا ذکر کیا گیا‘ پھر ان کے گمان کا ذکر کیا گیا۔ اور اس سے مراد یہ تھا کہ مسلمانوں کی پیٹھ تھپکی جائے اور انہیں امید دلائی جائے کہ اللہ اور اس کے رسول کی ندا پر لبیک کہنے والوں کی کیا قدر و منزلت ہے۔ پھر بتایا گیا کہ اللہ ہر چیز کا مالک ہے اور اپنی بادشاہت میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ اور اس طرح اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ پیچھے رہ جانے والے بدوؤں کا فعل اللہ تعالیٰ کے ارادے اور قدرت سے باہر نہیں ہے اور یہ کہ ان کی مخالفت اللہ تعالیٰ کو نقصان پہنچانے والی نہیں ہے بلکہ اس کے فیصلہ قضا و قدر سے متعلق ہے‘ اور یوں ان چاروں آیات میں مغفرت کا ذکر پہلے لانا مناسب تھا‘ واللہ اعلم!

بقیہ: حرفِ اوّل

القرآن کے تحت منعقد ہونے والے محاضراتِ قرآنی لاہور اور کراچی کے حضرات کو بخوبی یاد ہیں‘ جن میں مختلف مسالک کے علماء اور اصحابِ فکر اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور اس طرح یہ جہاں ایک طرف صدر مؤسس کی اتحاد بین المسالک کے لیے بھی اچھی کوشش تھی‘ وہیں دوسری جانب سامعین میں گہری ایمانی بصیرت اور فہمِ دین میں اضافہ کا ذریعہ بنی۔

آخر میں عرض ہے کہ ڈاکٹر محمد امین کے رول ماڈل کالج اور رول ماڈل یونیورسٹی کا قیام بھی تقاضا کرتے ہیں کہ معاشرے میں بالعموم دین اور آخرت کے لیے ترجیح کا رویہ شعوری طور پر موجود ہو۔ اور یہی شعوری رویہ وہ ethos پیدا کرے گا جس کے تعلیمی اداروں میں ہماری آئندہ نسل کے نوجوان اسلام کے داعی اور سپاہی بن کر سامنے آئیں گے۔ اسی اسلامی آگاہی اور دینی شعور کے لیے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور دوسرے بڑے شہروں میں اس کی affiliate انجمنیں کوشاں ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مساعی کو شرفِ قبولیت سے نوازیں‘ آمین!

© rasailojaraid.com